۲

اسلامی قانون کے مآخذ

مأخذِ دوم السُّنہ

شریعۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون (۲)

اسلامی قانون کے مآخذ

(مأخذ دوم - سنت)

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلامی قانون کے مآخذ

مأخذ دوم: سنت

تالیف: شہزاد اقبال شام

نظر ثانی وراہ نمائی: ۱۔ جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن (مرحوم)

۳۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی

نگران مطالعہ اسلامی قانون: شہزاد اقبال شام

نگران منشورات: حافظ حبیب الرحمن/محمد نذیر

ناشر: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

طبع اول: ۱۹۹۳

طبع دوم: ۱۹۹۷

طبع سوم: ۲۰۰۲ء

طبع چہارم ۲۰۰۳

طبع پنجم ۲۰۰۴

قیمت: ۳۰ روپے

فہرست مضامین

۱- سنت کی تعریف ۱

۲- سنت اور حدیث میں فرق ۲

۳- سنت کی بطور مأخذ قانون، قرآن سے توثیق ۲

۴- وحی متلو اور وحی غیر متلو ۷

۵- سنت کا تصور ابتدائی دور میں ۹

۶- قرآن اور سنت کے احکام میں فرق کی ابتدا ۱۱

۷- قرآن و سنت کے احکام میں تفریق، رسول اللہ ﷺ کی نظر میں ۱۲

۸- سنت اور حدیث کے بارے میں صحابہ کا طرز عمل ۱۳

۹- سنت کے بارے میں فقہاء کا موقف ۱۵

۱۰- بطور ماخذ قانون سنت کا دائرہ کار ۱۷

(۱) مجمل کو مفصل کرنا ۱۷

(۲) مطلق کو مقید کرنا ۱۸

(۳) عام کو خاص کرنا ۱۹

(۴) مشکل کو مُفَسَّر کرنا ۲۰

(۵) قرآنی احکام کے مفہوم سے اصلی کلی اخذ کر کے نیا حکم بتانا ۲۰

(۶) قرآنی احکام کی تفسیر کا عملی نمونہ دکھانا ۲۱

(۷) قرآنی احکام میں استثناء قائم کرنا ۲۱

(۸) عرف کی توثیق و تطہیر ۲۲

۱۱- سنت کی چند اقسام اور قانون سازی میں ان کا مقام ۲۲

(۱) ساخت یا بناوٹ کے اعتبار سے ۲۳

الف - قولی سنت ۲۳

ب- فعلی سنت ۲۳

ج - تقریری سنت ۲۴

(۲) سند کے اعتبار سے ۲۴

الف- حدیث متواتر ۲۵

ب - حدیث مشہور ۲۵

ج - خبر واحد ۲۵

۱۲- تدوین حدیث ۲۶

۱۳- حواشی ۲۹

۱۴- مصادر و مراجع ۳۰

پیش لفظ

اسلام کی طویل فکری اور عملی تاریخ میں مسلم اہل علم و دانش کو گوناگوں چیلنجوں اور مبارزتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دور تابعین میں وضع حدیث اور قضاء و قدر کے بارہ میں شبہات سے لے کر دور جدید کے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے استیلاء تک کا یہ سارا زمانہ ایک مسلسل فکری جہاد اور علمی دفاع سے عبارت ہے۔ اس پورے دور میں اہل علم نے نہ صرف حالات زمانہ کو پیش نظر رکھا' بلکہ ہر نئی فکری مبارزت کے جواب میں اکثر و بیشتر انہی ہتھیاروں اور وسائل سے کام لیا جن سے کام لے کر اسلام پر اعتراضات کئے گئے۔ اس کی کامیاب ترین مثال یونانی علوم و فنون سے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ ابتدائی سو' سوا سو سال کے عبوری دور کے بعد بھی مسلمان مفکرین نے یونانی منطق اور فلسفہ سے اسلامی عقائد کی تفسیر و توضیح کی اور اسلامی تعلیمات کی تبیین و تفہیم کا وہ کام لینا شروع کر دیا تھا جس کے عجیب و غریب نمونے امام غزالی' امام رازی' امام شاطبی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

دور جدید میں اس کام کی اہمیت اور پیچیدگی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے مبارزت صرف ایک میدان میں تھی' یعنی فلسفہ' منطق اور عقلیات کا میدان۔ اب یہ مبارزت زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ فلسفہ اور انسانی علوم سے لے کر روزمرہ زندگی کے مظاہر تک' آج ہر قدم پر دنیائے اسلام کو بیرونی اور خارجی قوتوں سے قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات میں یہ نبرد آزمائی نسبتاً زیادہ اہم اور فوری نوعیت کی ہے اور حالات کا تقاضا ہے کہ ملت مسلمہ ان معاملات کے بارہ میں فوری طور پر اپنے کو صف آراء کرے اور اپنے وسائل و اسباب کو کماحقہ استعمال کرے۔ ان اہم اور فوری امور میں ایک انتہائی اہم مسئلہ قانونی' دستوری اور عدالتی معاملات کا ہے۔ اس میدان میں مغربی تصورات و افکار کے تسلط اور غلبہ نے ایک بڑے طبقہ کے ذہن کو متاثر بلکہ ماؤف کر دیا ہے کہ یہ طبقہ اسلام کے تصورات و نظریات کو سمجھنے میں اس طرح مشکل محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی بھی مغربی دانشور۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف ایک شدید رد عمل اٹھتا نظر آرہا ہے جو اگر مثبت اور تعمیری خطوط پر آگے بڑھا تو ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی رد عمل کا مظہر وہ دلی آرزو ہے جو اسلام کے تصور عدل و احسان پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسلامی

تصورات کے عملی نفاذ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اٹھتی نظر آتی ہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے انتظار میں آج لاکھوں گردنیں کٹ رہی ہیں' لاکھوں گھر اجڑ رہے ہیں' کتنے ہیں جو گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور کروڑوں دل ہیں جو اس دیرینہ خواب کی تعبیر کی تمنا میں دھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر اس قدر آسان نہیں ہے جتنا ہم میں سے بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ایک طویل سفر کی متقاضی ہے۔ ایسا طویل سفر جس کی پہلی منزل' ایک فکری تبدیلی' ایک تعلیمی تحریک اور ایک ذہنی انقلاب سے عبارت ہے - جب تک اسلام کے تصورات و تعلیمات پر گہرا ایمان رکھنے والی' دور جدید میں ان کو روبہ عمل لانے کے جذبہ سے سرشار اور اس راہ کی مشکلات سے کلی طور پر آگاہی اور ادراک رکھنے والی نسل وجود میں نہیں آئے گی اس وقت تک اس خواب کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس پہلی منزل کا پہلا قدم اسلامی فقہ اور قانون کی کماحقہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں ضروری مردان کار کی تیاری کا کام ہے۔ ایسے مردان کار جو اسلامی فقہ کو اس کے بنیادی ماخذ و مصادر سے براہ راست سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں' جن کو رائج الوقت قانونی' دستوری' اور عدالتی تصورات سے گہری لیکن ناقدانہ واقفیت حاصل ہو' جو شریعت کی حقانیت اور صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں اور دور جدید میں اس کی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا مومنانہ جذبہ رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کی تیاری وقت کی وہ اہم ضرورت ہے جس کو ہماری ملی ترجیحات میں ابھی تک وہ جگہ حاصل نہیں ہوئی جو اس کو ہونی چاہیے تھی۔

بلاشبہ ہمارے بہت سے دینی اداروں اور اسلامی تعلیم کے مراکز میں فقہ کی تدریس و تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور فقہی موضوعات پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ قطعاً" ناکافی ہے۔ اس تعلیم و تحقیق کا ہمارے قانونی نظام اور دستوری اداروں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ وطن عزیز میں نفاذ اسلام کے کام میں پیش رفت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم کی گئی۔ اکیڈمی نے وکلاء اور ارکان عدلیہ کے تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جس کے تحت اردو اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر جدید انداز سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر کتابوں کی اشاعت کے ایک طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ تصنیف و تحقیق اور نشر و اشاعت کے اس طویل منصوبہ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی نے آج سے چند سال قبل ایک شعبہ ایسا بھی قائم کیا جہاں فاصلاتی تعلیم کے اصولوں کے تحت فقہ اسلامی کی

تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ متواضعانہ پیش کش مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں نعمت اور لامتناہی فضل سے ہماری اس کاوش کو کامیابی سے نوازا اور ہم تین سال کی مختصر مدت میں اس کورس کے ذریعہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے کوئی ڈیڑھ ہزار افراد تک اسلامی قانون اور فقہ کی ایک مربوط اور جامع تصویر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

زیر نظر کورس وکلاء، طلبہ قانون اور عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہے۔ اس کا دورانیہ ایک سال ہے اور یہ چوبیس اسباق یا یونٹوں پر مشتمل ہے جن میں فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ہر سبق میں تدریسی مواد کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے کتابوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطالعہ قانون اسلامی کے اس ابتدائی کورس کے بعد چار دوسرے کورس بھی تیار کرائے جارہے ہیں جو فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ہیں۔ ہمارے ان "ایڈوانس کورسز" کی تیاری کا کام جاری ہے اور جلد ہی ہم ان کو بھی شروع کردیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

کچھ اس یونٹ کے بارہ میں

جو یونٹ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے وہ شریعت اسلامی کے دوسرے بنیادی مأخذ یعنی سنت کے بارہ میں ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے اگرچہ سنت کا درجہ قرآن کے بعد ہے لیکن فی الحقیقت قرآن و سنت دونوں ایک دوسرے کے لئے اس طرح لازم و ملزوم ہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر سمجھنا اور روبعمل لانا قریب قریب ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مآخذ کے بارہ میں فقہاء کی ایک دوسری ترتیب -- بنیادی اور ثانوی مآخذ -- میں قرآن اور سنت دونوں بنیادی مآخذ شمار ہوتے ہیں۔ قرآن ہم تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وساطت سے پہنچا، اس لئے جب تک سنت کی اہمیت اور استناد پر اسی درجے کا ایمان نہ ہو جس درجہ کا قرآن پر ہو سکتا ہے، اس وقت تک سنت کو سمجھنا دشوار ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن آن واحد میں یکبارگی نازل نہیں ہوا بلکہ اس کا نزول تھوڑا تھوڑا کر کے تیئس سال کی طویل مدت میں مکمل ہوا۔ ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارشادات و ہدایات سے اس کی تفسیر و تشریح فرماتے رہے، خود اس پر عمل کر کے دکھاتے اور دوسروں کو سکھاتے رہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات و ہدایات اور آپ کا یہ طرز عمل یعنی اسوہ حسنہ قرآن کے مفہوم اور پیغام کا جزولاینفک ہے۔ اسی کو سنت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

زیر نظر یونٹ میں سنت کا ایک مختصر تعارف پیش نظر ہے۔ اس یونٹ میں قرآن اور سنت کے احکام کی نوعیت اور اسلوب میں فرق واضح کرنے کے بعد سنت کے بارہ میں خلفائے راشدین اور ائمہ اربعہ کے ارشادات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ قانون سازی کے میدان میں سنت کے وظائف اور کردار کیا ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے۔ آخری حصے میں سنت کی چند اقسام پر روشنی ڈالی گئی ہے جو قانون سازی کے عمل میں نسبتاً زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

فقہ اسلامی میں سنت کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں۔ امت مسلمہ کبھی بھی سنت کی اہمیت سے غافل نہیں رہی۔ گزشتہ چودہ صدیوں سے اس امر پر تمام اصولیین اور مجتہدین کا کامل اتفاق رہا ہے کہ سنت کی راہنمائی کے بغیر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا کار عبث ہے۔ لیکن بدقسمتی سے گزشتہ چند عشروں کے دوران مستشرقین اور ان کے مستغرب تلامذہ نے اپنے مخصوص مقاصد کے پیش نظر سنت کے بارہ میں غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی۔ وہ اس کوشش میں تو کامیاب نہ ہو سکے لیکن مسلم دنیا کا ایک قلیل لیکن خاصا بااثر طبقہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے باوجود امت مسلمہ میں یہ امر آج بھی اتنا ہی متفق علیہ ہے جتنا چودہ سو سال قبل تھا۔

جدید دور میں سنت کی اہمیت گزشتہ ادوار کے مقابلے میں قدرے زیادہ اس لئے ہے کہ مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی امت کے اہل علم ہی کے ذمہ ہے۔ گزشتہ ادوار میں جو امر متفق علیہ تھا وہ آج بھی متفق علیہ ہے لیکن ہمارے بعض جدید تعلیم یافتہ افراد مغرب سے درآمدہ ہر شے کو غیر جانبدارانہ تحقیق سمجھ کر اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے مسلم امت کے اس حصہ کی مناسب راہنمائی بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

امید ہے کہ ہمارے قارئین کو یہ کوشش مفید معلوم ہو گی اور وہ ہمیں اپنی آراء سے آگاہ کریں گے تاکہ ہم اپنے آئندہ کورسوں کو زیادہ مفید اور جامع بنا سکیں۔

۶ر جمادی الاخر ۱۴۱۷ھ
۲۰ر اکتوبر ۱۹۹۶ء

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلامی قانون کے مآخذ - ۲

سنت کی تعریف

لغت عرب میں سنت کے معانی طریقہ، راستہ، اسلوب اور خصلت کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فلن تجد لسنۃِ اللہ تبدیلا (فاطر، ۳۵: ۴۳)

پس تم اللہ تعالیٰ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے

سنت کے یہ معنی عام ہیں، لیکن فقہائے اسلام کی اصطلاح میں لفظ سنت سے چار طرح کے مفہوم ادا ہو سکتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہونے والے الفاظ سنت کہلاتے ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو سنت کہا جاتا ہے۔ سنت کی اس قسم کو قولی سنت بھی کہتے ہیں۔

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام سرانجام دیے انہیں بھی سنت کہتے ہیں۔ سنت کی اس قسم کو فعلی سنت کہتے ہیں۔

۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں لوگوں سے کسی طرح کی گفتگو سنی یا ان کو کوئی عمل کرتے دیکھا اور اس گفتگو یا عمل کے بارے میں ہلکا سا بھی اظہار ناپسندیدگی نہ فرمایا اور خاموشی اختیار کی (گویا اس گفتگو یا عمل کو قابل قبول قرار دیا) تو اس گفتگو یا عمل کو بھی سنت کہا جاتا ہے۔ سنت کی اس قسم کو "تقریری سنت" کہتے ہیں۔ تقریری سنت سے مراد برقرار رکھا جانے والا راستہ ہے۔ تقریری سے مراد وہ سنت ہے جسے برقرار رکھا گیا ہو، یعنی لوگوں کے چلنے کا وہ راستہ (سنت) جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا۔

۴- فقہاء احناف نے صحابہ کرام کے افعال اور اقوال کو بھی سنت میں شمار کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام اپنا ہر فعل اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل یا قول کی روشنی میں سرانجام دیتے تھے۔ اسی لئے فقہاء نے سنت کی یہ تعریف بھی کی ہے کہ وہ ایسا پسندیدہ راستہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک مسلمان چلتے رہے ہوں۔ (الطریقہ المسلوکہ فی الدین)

سنت اور حدیث میں فرق

سنت کے اس مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور لوگوں کے قول و فعل پر آپ کے سکوت کو سنت کہتے ہیں۔ آسان الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی سنت ہے۔

سنت کے ساتھ ساتھ ہم ایک اصطلاح اور بھی سنتے رہتے ہیں جسے حدیث کہتے ہیں۔ لغت میں حدیث کسی بھی بات کو کہتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فمال هؤلاء القوم لايكادون يفقهون حديثا (النساء، ۴:۷۸)

آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث سے مراد کوئی بھی بات ہو سکتی ہے۔

لیکن اصطلاح میں حدیث سے مراد ہر وہ بیان یا بات ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی قول یا فعل کی نسبت کی گئی ہو۔ حدیث میں مستند اور قابل اعتماد بیانات بھی شامل ہیں اور غیر مستند اور ناقابل اعتماد بیانات بھی۔ لہٰذا صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع، حدیث کی قسمیں تو ہو سکتی ہیں لیکن سنت کی نہیں۔ سنت صرف مستند اور قابل اعتماد احادیث ہی کو کہا جاتا ہے۔ موضوع احادیث (موضوع سے مراد وضع کی گئی یا گھڑی جانے والی احادیث ہیں۔ یہ احادیث غلط طور پر رسول اللہ سے منسوب کی جاتی ہیں) کو سنت نہیں کہا جاتا۔ سنت اور حدیث کے اس فرق کو بعض ائمہ نے ملحوظ نہیں رکھا بلکہ ان دونوں اصطلاحات کو مترادفات کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس عمل کے درست ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں ہے۔

ان دونوں اصطلاحوں کے درمیان یہ فرق بھی بیان کیا گیا ہے، کہ سنت شرعی حکم کو کہتے ہیں اور جس روایت میں یہ حکم بیان کیا گیا ہو اس کو حدیث کہتے ہیں مثلاً اس حدیث میں چار سنتیں ہیں، یعنی چار حکم ہیں۔

آئندہ بحث میں اصطلاحات کی فنی پیچیدگیوں سے صرف نظر کرنے کی خاطر یہ دونوں الفاظ موقع و محل کی مناسبت سے ایک دوسرے کے لئے بطور مترادف بھی استعمال کئے گئے ہیں۔

سنت کی بطور ماخذ قانون، قرآن کریم سے توثیق

قرآن پاک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے لوگوں تک تیئس سال کے عرصے میں پہنچا۔ اس طویل مدت میں ایک مختصر و جامع کتاب نازل کرنے کے مقاصد یہ ہیں کہ اس کا جتنا بھی حصہ نازل ہو اس کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تعلیم دیں اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ بھی بتائیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان آیات کی تفسیر اپنے عملی نمونے کی صورت میں دیں۔ اس عملی نمونے Practical Demonstration کو اللہ پاک نے "اسوہ حسنہ" قرار دیا ہے جس کی تقلید اور پیروی ہر مسلمان پر فرض ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لقدکان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب، ۳۳:۲۱)

تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول میں ایک بہت اچھا نمونہ تقلید ہے۔

ایک دوسری جگہ اسی بات کو ذرا شدت کے ساتھ اور قدرے زور دے کر بیان کیا گیا ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران، ۳:۳۱)

(اے نبی) کہو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

پہلی آیت میں مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی گزارتے ہیں مسلمان بھی اسی طرح گزاریں۔ ان کی پسند و ناپسند، ان کی وضع قطع، ان کی بودو باش، ان کی دن بھر کی مصروفیات کا نظام الاوقات اور عبادات کا طریقہ، ہر فعل نبی کے نمونہ زندگی سے کسی نہ کسی طرح سند لئے ہوئے ہو۔ اسوۃ حسنہ کو اگر آسان زبان میں بیان کرنا چاہیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک سانچہ تھی جس میں ڈھل ڈھل کر صحابہ کرام کی زندگیاں ہمارے سامنے آتی ہیں اور یہی معیار بعد میں آنے والے مسلمانوں سے بھی مطلوب ہے۔ وہ زندگی جو اس سانچے کے مطابق گزر رہی ہو اسوہ حسنہ کے مطابق، اور اس سانچے سے ہٹ کر مختلف انداز میں گزرنے والی زندگی اسوہ حسنہ سے ہٹی ہوئی زندگی ہے۔

اسوہ حسنہ کو مسلمانوں کے لئے واجب التقلید قرار دینے کے بعد ایک دوسری جگہ نبی کی ذمہ داریوں کو نسبتاً" وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم ایتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون (البقرہ، ۲:۱۵۱)

جس طرح ہم نے تمہارے درمیان خود تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب و

حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

اس آیت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا رسول مسلمانوں کے لئے جو کام بحیثیت نبی کرتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کی آیات (قرآن) کی تلاوت کرنا

مراد یہ کہ پڑھ کر سنانا تاکہ مسلمان یہ آیات سن کر یاد کرلیں۔ اس حیثیت سے نبی اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ بعینہٖ لوگوں تک پہنچا دیتا ہے۔ لہٰذا یہ امر مسلّم ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے اپنے الفاظ ہیں جنہیں رسول اللہ نے بغیر کسی تبدیلی کے لوگوں تک پہنچا دیا۔

۲- لوگوں کا تزکیہ کرنا

لفظ 'یزکیکم' سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی مسلمانوں کو مختلف فاسد قسم کے عوارض سے پاک بھی کرتا ہے۔ صرف کتاب اللہ کی تلاوت کر کے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دینا ہی اس کے ذمہ نہیں ہے بلکہ وہ اس سے آگے بڑھ کر لوگوں کے قلوب و اذہان کو فاسد عناصر سے پاک بھی کرتا ہے۔ اصطلاح میں اس عمل کو تزکیہ کہا جاتا ہے۔ نبی کے ذمہ یہ کام بھی ہے۔

۳- لوگوں کو تعلیم دینا

اسی آیت میں کہا گیا ہے کہ نبی لوگوں کو دو باتوں کی تعلیم دیتا ہے:

(۱) کتاب اللہ کی تعلیم

(۲) حکمت کی تعلیم

کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کی تلاوت نبی کا فرض اولین ہے۔ تلاوت سے مراد یہ ہے کہ قرآنی آیات کو ان کی اصل حالت میں لوگوں تک پہنچا دیا جائے۔ لیکن آگے چل کر بتایا جارہا ہے کہ نبی لوگوں کو کتاب اللہ کی تعلیم بھی دیتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم کی تلاوت کرنا یا اس کو پڑھ کر سنا دینا' اور ان تلاوت کی گئی آیات کی تعلیم دینا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک آن واحد میں نازل نہیں ہوا' بلکہ اس کا کچھ حصہ نازل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطالب معانی لوگوں کو

بتائے' لوگوں نے اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنا شروع کی اور پھر جب ضرورت پیش آئی تو قرآن کریم کا کچھ اور حصہ نازل کر دیا گیا پھر اس کی تعلیم مکمل ہوئی تو شارع حکیم (اللہ تعالیٰ) نے نئی آیات نازل فرما دیں اس طرح یہ سلسلہ تیئس سالوں میں مکمل ہوا۔

تعلیم ہی کے ضمن میں اس آیت کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی لوگوں کو کتاب کے ساتھ ساتھ حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ حکمت کیا ہے؟ اس کے بارے میں علامہ راغب اصفہانی نے مفردات قرآن میں لکھا ہے کہ اس آیت میں حکمت تفسیر قرآن مجید ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآنی حقائق کا فہم حکمت کہلاتا ہے۔ قرآن کریم کے ایک مشہور مفسر سدی کے نزدیک حکمت سے مراد سنت نبوی ہے یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ نبی کتاب و سنت کی تعلیم دیتا ہے۔ ترتیب کا خیال رکھا جائے تو اس کے معنی یہی بنتے ہیں۔

۴۔ وہ باتیں سکھانا جو لوگ نہیں جانتے

آیت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نبی لوگوں کو ایسی باتیں بھی بتلاتا ہے جو وہ نہیں جانتے۔ یہ چوتھی ذمہ داری قرآنی آیات کے تلاوت کرنے' لوگوں کا تزکیہ کرنے یا ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینے سے مختلف ہے۔ اس سے مراد قرآنی آیات میں بتائی گئی باتوں کی طرف اشارہ کرنا ہوتا تو وہ بجائے خود تلاوت کرنے کے زمرے میں آجاتی ہیں اور الگ سے نئی باتیں بتانے کے بارے میں ذکر نہ کیا جاتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم سے ہٹ کر بھی نبی لوگوں کو ایسی باتیں بتاتا ہے جو قرآن میں نہیں ہوتیں۔

آگے چل کر سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۴ اور سورۃ الجمعہ کی آیت ۲ میں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نبی کی تقریباً انہی ذمہ داریوں کو پھر بیان کیا گیا ہے۔

ان ابتدائی باتوں کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بالکل صراحت کے ساتھ قانون سازی کے اختیارات دے دیے جس سے سنت رسول کے بطور ماخذ قانون ماننے کی سند ہمیں قرآن کریم سے مل جاتی ہے۔ سورۃ الاعراف میں نبی کی ذمہ داریوں میں اضافہ کر دیا گیا ہے' فرمایا:

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الاعراف ۷: ۱۵۷)

وہ (نبی) ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے اور ان کے لئے
پاک اشیاء کو حلال کرتا ہے اور ناپاک اشیاء کو حرام کرتا ہے۔

اس آیت میں "حکم دینا" اس امر کی نشاندہی کر رہا ہے کہ نبی لوگوں کو وعظ و تلقین ہی نہیں کرتا بلکہ حکم بھی دیتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ نبی لوگوں کے لئے اشیاء کو حلال و حرام بھی قرار دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک نکاح میں دو بہنوں کا جمع کرنا قرآنی حکم کے تحت حرام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ بیک وقت خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنا بھی حرام قرار دیا اور اس پر مسلمان آج تک عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس امر میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی وہ حکم ہے جو نبی لوگوں کو دیتا ہے۔ یہ حکم قرآن میں موجود نہیں ہے۔

قرآن کریم، سنت رسول کے بطور ماخذ قانون، جگہ جگہ توثیق کرتا ہے، اس توثیق کی حیثیت مشورہ یا تلقین کی سی نہیں ہے کہ کسی کو پسند آئے تو اسے تسلیم کرلے اور پسند نہ آنے پر اسے ترک کر کے کوئی "اجتہادی" راستہ اختیار کرلے بلکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان بڑا سخت ہے:

وما اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (الحشر، ۵۹:۷)

جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اس گفتگو سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی لوگوں کے لئے عملی نمونہ ہے جسے سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۱ میں اسوۃ حسنہ کہا گیا ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت ۳۱ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعویداروں کو مزید امتحان میں ڈال دیا گیا۔ کہا کہ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویدار ہے وہ نبی کی پیروی کرے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرے گا۔ آگے چل کر سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۱ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کردہ ذمہ داریاں بھی بتا دی گئیں تاکہ لوگوں کے لئے اطاعت میں آسانی ہو۔ حتیٰ کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا: کہ نبی کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ لوگوں کو جائز اور ناجائز کی تعلیم دے کر بتائے کہ ان کو کیا کام کرنے چاہئیں، اور کن امور سے احتراز کرنا چاہئے۔ سورۃ الحشر میں دو ٹوک الفاظ میں اللہ رب العزت نے واضح کر دیا کہ جو کچھ نبی دے دے اسے اختیار کرلو اور جس چیز سے وہ منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔ اسی آیت میں یہ تلقین بھی

کی کہ اللہ کریم سے ڈرو وہ سخت سزا دینے والا ہے۔ اس ڈراوے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ جو کچھ پہلے کہا جا چکا ہے اس پر عمل کرو۔

نبی کا منصب کچھ اور آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ نبی کی زبان سے جاری ہونے والے تمام کلمات اللہ جل شانہ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں:

وماینطقُ عن الھویٰ ان ھوالاوحیٌ یوحی (النجم، ۵۳: ۳،۴)

وہ (نبی) اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی کے ادا کردہ تمام الفاظ اللہ رب العزت کی طرف سے ہوتے ہیں۔ وہ نبی کی اپنی خواہش نفس کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ وہ بھی وحی کی ایک دوسری شکل ہوتے ہیں۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبی کے ادا کردہ الفاظ اللہ تعالٰی کی جانب سے ہیں اور قرآن بھی اللہ کی طرف سے ہے تو پھر نبی کے تمام الفاظ قرآن کیوں نہیں ہیں اور قرآن اور نبی کے الفاظ میں فرق کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علماء نے وحی کو فنی لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ وحی متلو، وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جائے چونکہ قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے، اسے بالتزام پڑھا جاتا ہے، اس لئے اسے وحی متلو کہتے ہیں۔

۲۔ وحی غیر متلو کی تلاوت التزام کے ساتھ نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کئی مواقع ایسے آئے جن سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالٰی کا حکم نازل ہوا لیکن قرآن کریم میں ہم کسی جگہ یہ حکم نہیں پاتے بلکہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حکم نبی اور اللہ کریم کے درمیان کسی براہ راست رابطے کا نتیجہ تھا۔ اس رابطہ کے دوران میں ہونے والے مکالمہ کو قرآن پاک کا جزو قرار نہیں دیا گیا۔ اس لئے یہ مکالمہ وحی غیر متلو ہے۔ مثلاً مدینہ میں یہودیوں کا ایک قبیلہ، بنی نضیر مسلمانوں کے لئے باعث آزار تھا۔ اس کی بدعہدیوں سے تنگ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے کی آبادی کا محاصرہ فرمایا اور دوسرے تادیبی اقدام کے ساتھ اس کے پھل دار درختوں کو بھی، بطور سزا، کاٹ دینے کا حکم دیا۔ اس پر کفار نے شور مچایا کہ مسلمان پھل دار درختوں کو کاٹ کر مسلمہ جنگی ضابطوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ بظاہر

درختوں کو کاٹنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بحیثیت سپہ سالار اسلامی افواج کے دیا تھا اور اس الزام کا جواب بھی انہی کو دینا چاہیے تھا۔ لیکن اصل میں یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا جس کی تائید قرآن مجید کی یہ آیت کر رہی ہے:

ماقطعتم من لينة اوتركتموها قايمة على اصولها فباذن الله

کھجوروں کے جو درخت تم نے (رسول اللہ نے) کاٹے اور جو کھڑے رہنے دیے یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھے۔ (الحشر ۵۹:۵)

درخت کاٹنے اور کھڑا رکھنے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے کب دی؟ یہ قرآن میں مذکور نہیں ہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے نبی کو اجازت دی اور صراحتاً دی ہو گی لیکن یہ اجازت وحی متلو (قرآن کریم) میں شامل نہیں ہے۔ بلکہ کفار کے اعتراض کرنے پر مسلمانوں کو بتایا گیا کہ درخت اللہ تعالیٰ کے حکم سے کاٹے گئے ہیں۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو کا فرق ایک اور مثال سے بھی واضح ہوتا ہے۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی کو راز کی ایک ایسی بات بتائی جس کا ذکر انہوں نے کسی سے نہیں کیا تھا، ان خاتون نے وہ بات رسول اللہ کی دوسری بیویوں کو بتا دی۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتا دی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بیوی سے پوچھا کہ انہوں نے ایسے کیوں کیا؟ وہ حیران ہو کر پوچھتی ہیں کہ آپ کو کیسے خبر ہوئی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ یہ واقعہ اختصار کے ساتھ قرآن پاک کی سورۃ التحریم آیت ۳ میں آیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دینا، قرآن پاک میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کیسی خبر دی؟ خبر دینے کا انداز قرآن کریم کا حصہ نہیں ہے، بلکہ وحی غیر متلو کہلاتا ہے۔

کئی اور مثالیں بھی قرآن میں ملتی ہیں جو وحی متلو اور وحی غیر متلو کے وجود اور فرق کو ثابت کرتی ہیں مثلاً فرمایا:

وماكان لبشر ان يكلمه الله الا وحيا اومن وراى حجاب اويرسل
رسولا فيوحى باذنه مايشاء انه على حكيم (الشوریٰ ۴۲:۵۱)

کسی بشر کے لئے ویسے ممکن نہیں کہ اللہ سے گفتگو کرے مگر وحی کے طریقے پر یا پردے کے پیچھے سے یا اس طرح کہ ایک پیغامبر بھیجے اور وہ اللہ کی اجازت سے وحی کرے جو کچھ اللہ کریم چاہتا ہے۔ وہ برتر اور حکیم ہے۔

اس آیت میں وحی کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن کریم، تیسرے طریقے کے ذریعے نازل ہوا اور یہ طریقہ قرآن کریم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے نازل کرنا کہلاتا ہے۔ دوسرے دو طریقوں کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی میں موقع و محل کے مطابق اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔ اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ اسی طرح واقعہ معراج کے دوران میں زمین سے اللہ کریم کے دربار میں اس سے ملاقات کا حال، اس ملاقات میں کی گئی گفتگو، گفتگو کے الفاظ، اس کی نوعیت، یہ سب وحی غیر متلو کہلاتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ احادیث کی کتب میں بعض احادیث کو احادیث قدسی کہتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ سے منسوب کوئی بات کرتے ہیں جو قرآن کریم میں موجود نہیں ہوتی یہ بھی وحی غیر متلو کی ایک شکل ہے۔

سنت کا تصور ابتدائی دور میں

بعثت نبوی کے بعد جن اصحاب نے اسلام قبول کیا وہ اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں جملہ رہنمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل کرتے تھے۔ چاہے انہیں یہ رہنمائی قرآن کریم کی آیات کی صورت میں بذریعہ وحی بوساطت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کوئی ارشاد فرما دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر مومن مرد و زن پر قرآن کریم کے متن اور سنت میں فرق تو واضح تھا لیکن احادیث اور تاریخ کی تمام کتب کے عمیق ترین مطالعہ سے ایسا کوئی ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات سے محض اس وجہ اختلاف کیا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کسی قرآنی حکم کے خلاف تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابہ کرام نے کئی مواقع پر بعض معاملات میں رسول اللہ سے اختلاف بھی کیا لیکن وہ معاملات عام زندگی سے متعلق تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قرآنی آیت کی توجیہ کر رہے ہوں اور صحابہ کا خیال اس کے برعکس ہو۔ اس ابتدائی دور میں احکام الٰہی کا منبع و مخرج صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات تھی۔ چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ تک قرآن کی آیات کی صورت میں احکام الٰہی پہنچائیں یا اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے سے انہیں کسی چیز کی تعلیم دیں۔

اس دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی اور پیغمبرانہ آراء کا فرق صحابہ کرام پر بالکل واضح ہو گیا تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں لوگوں کو کھجوروں سے زیادہ پھل حاصل کرنے کے لئے پیوندکاری کا ایک مخصوص عمل کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم

لوگ یہ کام نہ کرو تو شاید بہتر نتائج برآمد ہوں۔ یہ رائے رسول اللہ نے بالکل ایک عام آدمی کی حیثیت میں دی تھی جس کا نبوت سے واسطہ نہ تھا۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کھجوروں کی پیداوار بڑھنے کی بجائے کم ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جب میں تم کو دین کی کوئی بات بتاؤں تو اس پر چلو اور کوئی بات اپنی رائے سے بتاؤں تو آخر میں بھی انسان ہوں یعنی تمہاری طرح میری رائے بھی غلط اور صحیح دونوں طرح ہو سکتی ہے (۱)۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دین کے بارے میں آپ کی ہر بات واجب الاتباع ہے چاہے اس کی تصدیق وحی کی صورت میں قرآنی آیات کر رہی ہوں یا وہ محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے ہو' اور اس کے بارے میں قرآن کریم میں کوئی حکم موجود نہ ہو۔

اسی طرح غزوہ خندق کے موقع پر جنگی حکمت عملی طے کرتے ہوئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میری رائے عام افراد کی رائے کی طرح ہے' اللہ تعالیٰ سے رہنمائی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر آپ سے اختلاف رائے بھی ہوا اور ایک ایرانی النسل صحابی حضرت سلمان فارسیؓ نے یہ رائے دی کہ کفار کے راستے میں خندق کھود کر ان کے لئے آگے بڑھنے کے راستے مسدود کر دیئے جائیں (۲)۔ آپ نے اس رائے کو پسند کرتے ہوئے اسے قبول فرمایا اور خندق کھودنے کا حکم دیا۔

ان سب امور کا تعلق انسانی تجربات سے ہے نہ کہ خالص دین سے جو وحی پر مبنی ہے۔ اس لئے آپ نے کھجور میں پیوند کاری کے معاملہ میں فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم یعنی "تم دنیا کے معاملات میں مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔" یہاں امور دنیا سے مراد انسانی عقل و تجربے پر مبنی امور ہیں۔

اس دور کے مطالعے سے ایک یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم کے احکام کی تشریح و تعبیر کا مکمل حق آپ ہی کو حاصل تھا۔ دین کے معاملے میں آپ کی کسی بھی رائے سے صحابہ کرام کا اختلاف ثابت نہیں ہوتا۔

اس دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قرآن کریم کے متن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں فرق کو جانتے ہوئے کسی بھی صحابی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ دونوں میں حکم کے اعتبار سے فرق ہے۔ صحابہ کرام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل' اور آپ کے سکوت کی حیثیت وہی تھی جو قرآنی احکام کی تھی۔ کسی بھی صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تقاضا نہیں کیا کہ اپنے قول کی صداقت کے لئے قرآن کریم کی سند لائیے ورنہ میں حکم نہیں مانوں گا۔ اس بارے میں یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید میں رسول اللہ کی اطاعت کو غیر مشروط طور پر فرض کیا گیا ہے اس لئے صحیح احادیث پر عمل آپ کی

اطاعت ہی کے مترادف ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قرآن کریم کے متن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال میں واضح فرق کو جانتے ہوئے بھی صحابہ کرام نے سنت کے تشریعی مقام کے بارہ میں کسی قسم کا تردد محسوس نہیں کیا۔

قرآن و سنت کے احکام میں فرق کی ابتداء

قرآن و سنت کے احکام میں فرق کی ابتداء اولاً اس وقت ہوئی جب مدینہ سے باہر کے دور دراز ان علاقوں میں صحابہ کرام کو دعوت دین کے کام پر مامور کرنے کا مرحلہ درپیش آیا جہاں کے لوگ دوری کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست اکتساب علم نہیں کر سکتے تھے۔ نو مسلم اور علاقے کے دوسرے لوگ مدینہ جیسے دور افتادہ مقام پر آنے کی بجائے انہی اصحاب سے دینی امور میں رہنمائی حاصل کرتے، بلکہ ان کے علم کے حدود اتنے ہی تھے جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکھا کر بھیجا تھا۔ ان صحابہ کرام نے لوگوں کی دینی تربیت کے لئے ایک اصول طے کر رکھا تھا کہ اول تو مسئلہ زیر بحث میں کسی قرآنی حکم سے رہنمائی لیتے، ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوتے تو سنت رسول کا اس مسئلہ پر انطباق کرتے، پھر بھی مسئلہ حل نہ ہوتا تو قرآنی احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تربیت کی روشنی میں ذاتی طور پر کسی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ ان کا یہ اسلوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باقاعدہ منظور شدہ تھا۔

جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی مقرر کیا تو ان سے پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ لایا جائے تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کی مدد سے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا کہ اگر کتاب اللہ میں سے اس بارے میں تمہیں کچھ نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ ایسی صورت میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے اس کا حل نکالوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا کہ اگر سنت میں بھی اس کی صراحت نہ ہوئی تو کیا کرو گے؟ تو حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ ایسی صورت میں میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور اس بات کو پسند فرمایا(۳)۔

قرآن و سنت کے احکام میں تفریق کا یہ مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مدینہ کے مسلمانوں کو

درپیش نہ تھا۔

قرآن و سنت کے احکام کی تفریق رسول اللہ ﷺ کی نظر میں

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے احکام اور حدیث کے متن کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں صحابہ کرام' ان دونوں کے متن میں فرق کو جانتے ہوئے بھی ان پر عمل کرتے وقت کوئی امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ ان کے لئے اتنا کافی تھا کہ یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلا ہے اس کی صورت چاہے کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ قرآن مجید کے متن اور حدیث کے متن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرق رکھنے کا حکم دیتے تھے۔

جب وحی کی ابتداء ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی آیات کو کاتبان وحی سے لکھوانا شروع کیا جس کو لوگ یاد کر لیتے تھے یا نقل کر کے کسی دوسری جگہ لکھ لیتے تھے۔ یہ ابتدائی زمانہ تھا جس میں صحابہ کرام ابھی اس درجہ پر نہیں پہنچے تھے کہ اگر ان کے سامنے ایک طرف قرآن مجید لکھا ہوا رکھ دیا جائے اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھی ہوئی رکھی جائیں تو وہ اس میں فرق کر سکیں۔ اس لئے یہ خدشہ موجود تھا کہ لوگ کہیں قرآن کریم اور احادیث نبوی باہم خلط ملط نہ کر دیں اور پھر دوسروں کو بھی اسی طرح سنائیں۔ اس ممکنہ صورت حال سے بچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو قرآن پاک کے سوا اپنی دوسری باتیں لکھنے سے منع کر دیا۔ صحیح مسلم میں ابو سعید سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث لکھنے کی اجازت طلب کی' تو آپ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا(۴)۔

امتناع کتابت حدیث کا یہ دور ابتدائی تھا اور بہت مختصر رہا اس دور میں بھی حدیثیں سننے سنانے اور انہیں زبانی یاد کرنے پر کوئی پابندی نہ تھی حتیٰ کہ جب قرآن کریم کا کافی حصہ نازل ہو گیا' صحابہ نے اسے لکھ لیا' اور یہ خطرہ بھی باقی نہ رہا کہ اب قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی خلط ملط ہو جائیں گی' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے کی اجازت دے دی۔ مثلاً ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کے بعد بھول جاتے تھے۔ یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لیا کرو' یعنی سننے کے بعد لکھ لیا کرو (۵)۔ اسی طرح فتح مکہ کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو ایک شخص نے درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اسے یہ خطبہ لکھ دو(۶)۔

کتابت حدیث کے بارے میں مکمل اجازت کی خبر ابوداؤد کی حدیث سے ملتی ہے جس کے مطابق حضرت

عبداللہؓ بن عمرو بن العاص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں آپ سے جو کچھ سنوں کیا اسے لکھ لیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! حضرت عبداللہؓ نے مزید وضاحت چاہی کہ چاہے آپ راضی ہوں یا غصہ کی حالت میں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "ہاں میں ہر حال میں حق بات کہتا ہوں" -(۷)

سنت اور حدیث کے بارے میں صحابہ کا طرز عمل

جس طرح قرآن کریم کے سب سے بڑے شارح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ان کے اقوال کے بارے میں بہترین فہم رکھنے والے آپ کے اصحاب تھے' جنہوں نے اپنی آنکھوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا مشاہدہ کیا۔ وہ حالات بھی ان لوگوں کے پیش نظر تھے جن میں آپ نے کوئی بات کسی خاص تناظر میں کی۔ لیکن آپ کی تربیت اور قربت کے لحاظ سے صحابہ کرام کے مختلف مدارج ہیں جیسے حضرت ابوبکر صدیق' مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے' اور ان کا عرصہ تربیت دوسروں سے زیادہ ہے۔ ان کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک امتی کے ساتھ ایک دوست کا بھی تھا جو آپ کی زندگی کے کئی ایسے پہلوؤں سے بھی واقف ہو سکتا ہے جو دوسرے نہیں جان سکتے۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاج شناسی میں دوسرے تمام اصحاب سے بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ امام دارمی نے اپنی مسند اور ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ: جب ان کے سامنے کوئی قانونی مسئلہ آتا تو وہ پہلے قرآن کریم سے اس کا حل تلاش کرتے' وہاں نہ ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کو دیکھتے' اگر وہاں سے بھی اس کا حل نہ ملتا تو پھر اعلان کر دیتے کہ اس بارے میں کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کا علم ہو تو آکر بتائے۔ اگر کوئی شخص اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی خبر دیتا تو آپ اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اپنی خوشی کا اظہار کرتے' فرماتے:

اَلحَمدُلِلّٰہِ الَّذِی جَعَلَ فِینَا مَن یَحفَظُ عَلٰی نَبِیِّنَا

اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارے اندر ایسے لوگوں کو باقی رکھا جو ہمارے نبی کی سنتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مختلف علاقوں کے عامل مقرر کرتے تو سنت کی اہمیت کو اجاگر کرنا ضروری سمجھتے تھے' فرماتے کہ میں عمال و حکام بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارا دین اور نبی کی سنت سکھائیں۔

البتہ حدیث کے رد و قبول میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی قدر متشدد واقع ہوئے تھے۔ اس میں بھی ان کی احتیاط پسندی کا دخل ہے۔ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے تو تعلیمات نبوی کے مطابق دروازے سے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی' جب کوئی جواب نہ ملا تو واپس چلے گئے۔ اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی باہر نکل آئے۔ انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلایا اور واپس جانے کی وجہ پوچھی۔ حضرت ابوموسیٰ نے جواب میں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب تم میں سے کوئی کسی سے تین بار اندر آنے کی اجازت طلب کرے اور جواب نہ ملے تو لوٹ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فوراً حکم دیا کہ اس بارے میں شہادت فراہم کریں ورنہ میں آپ کو سزا دوں گا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ جو اس واقعہ کے راوی ہیں' فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعریؓ صحابہ کی مجلس میں آئے تو ان کا رنگ زرد تھا۔ ہم نے ان سے گھبراہٹ کی وجہ پوچھی تو انہوں نے سارا واقعہ سنایا اور ہم سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے یہ حدیث سنی ہے؟ تو ہم سب نے جواب دیا کہ ہم سب نے سنی ہے اور ایک شخص گواہی کے لئے ان کے ساتھ روانہ کیا جس کی گواہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قبول کی (۹)۔

اس طرح کے کئی اور واقعات بھی ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ احادیث کو صرف ایک شخص سے سن کر قبول نہیں کرتے تھے بلکہ دوسرے لوگوں سے گواہی مانگتے تھے اور گواہی مل جانے پر حدیث کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ سنت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف ان کے اس خط سے واضح ہوتا ہے جو انہوں نے قاضی شریح کے نام لکھا ہے:

> اگر تم کوئی حکم کتاب اللہ میں پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور اس کی موجودگی میں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کرو' اور اگر کوئی ایسا معاملہ آئے جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو تو رسول اللہ کی سنت میں جو حکم ملے اس پر فیصلہ کرو' اور اگر معاملہ ایسا ہو جس کا حکم نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ سنت رسول میں' تو اس کا فیصلہ اس قانون کے مطابق کرو جس پر اجماع ہو چکا ہو' لیکن اگر کسی معاملہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول دونوں خاموش ہوں اور تم سے پہلے اس کے متعلق کوئی اجماعی فیصلہ بھی نہ ہوا ہو تو تمہیں اختیار ہے کہ یا تو پیش قدمی کر کے اپنی اجتہادی رائے سے فیصلہ کرو یا پھر انتظار کرو اور

میرے نزدیک تمہارا انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے(۱۰)۔

اس خط میں حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ قاضی شریح کو محض وعظ و نصیحت نہیں کررہے، بلکہ خلیفہ وقت کی حیثیت سے ایک اعلیٰ عدالت کے جج کو اسلامی حکومت کی عدالتی پالیسی کے بارے میں رہنما اصول بتارہے ہیں۔

حضرت عمر فاروق کے بعد جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے اپنے اولین خطبے میں قران و سنت کے بارے میں اپنا موقف اس طرح بیان کیا:

> حمد و ثنا اس ذات کے لئے سزا وار ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر بھیجا اور انہیں اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور آپ کو اپنے قریبی اور دور کے عزیزوں کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا کی۔ اللہ نے ہمیں ان کا تابع اور پیرو بنایا۔ ہم ان کے احکام کے ذریعے ہدایت حاصل کرتے ہیں، آپ ہمارے لئے نور ہیں اور باہمی اختلافات اور دشمنوں سے جھگڑا ہونے کی صورت میں ہم ان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ اللہ نے ہمیں آپ کے طفیل اور آپ کی اطاعت کی بدولت پیشوا اور حاکم بنایا (۱۱)۔

ان کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اہل مصر سے بیعت لینے کے لئے آپ نے جو سرکاری فرمان (Presidential Order) بھیجا اس میں فرمایا:

> خبردار ہم پر تمہارا جو حق ہے وہ یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل کریں اور اس کے احکام تم پر نافذ کریں اور سنت رسول اللہ کا اجراء کریں اور غیر موجودگی میں تمہارے خیر خواہ رہیں۔ اصل میں اللہ ہی مدد کرنے والا ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے وہ اچھا کارساز ہے (۱۲)۔

سنت کے بارے میں فقہاء کا موقف

صحابہ کرام کے بعد جب مسلمانوں کو نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا تو ان کے حل کے لئے علمائے امت نے قرآن و سنت کی روشنی میں غور و فکر کرنے کے لئے کچھ کلیات (اصول) وضع کئے۔ یہ کلیات اصل میں قرآن و

سنت ہی سے ماخوذ تھے۔ کلیات کے اس علم کو اصول فقہ کا نام دیا گیا۔ فقہ کے لفظی معانی سوچ بچار، فہم، غور اور تفکر ہیں۔ علماء نے فقہ کے جو بھی اصول اور احکام وضع کئے ان کی بنیاد نہ صرف قرآن بلکہ سنت بھی تھی۔ کسی بھی امام یا فقیہ نے سنت کو چھوڑ کر صرف قرآن کو ماٰخذ قانون قرار نہیں دیا۔ امام شافعی کہتے ہیں:

فرض الله على النّاس اتبّاع وحيه وسنن رسوله

اللہ نے لوگوں پر اپنی وحی اور اپنے رسول کی سنت کا اتباع فرض کر دیا۔

ذرا غور کیا جائے تو امام شافعیؒ کا یہ قول، جس میں امام صاحب سے منسوب فقہی قواعد کا خلاصہ دیکھا جا سکتا ہے، قرآن کریم کے الفاظ ہی کو ذرا مختلف انداز میں بیان کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَاينطقُ عَنِ الهوٰى اِن هُوَالاّوَحىٌ يُّوحٰى (النجم، ۵۳: ۴)

وہ (نبی) اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ بھی قرآن و سنت کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ "میں کتاب اللہ سے استدلال کرتا ہوں۔ اگر اس میں مسئلہ نہ ملے تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل لیتا ہوں۔ دونوں میں نہ پاؤں تو اس مسئلہ کے بارے میں صحابہ کرام کے ایک سے زائد اقوال ہونے کی صورت میں جس قول کو مناسب سمجھتا ہوں، لے لیتا ہوں البتہ ان اقوال سے باہر نہیں جاتا" (۱۴)۔

امام مالک سنت نبوی کے بارے میں فرماتے ہیں: "ہر وہ چیز جو کتاب و سنت کے موافق ہو اسے قبول کر لو اور جو مخالف ہو اسے چھوڑ دو" (۱۵)۔

امام مالکؒ کے اس قول کو اگر قرآن و سنت کی تعلیمات کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول بھی اس قرآنی آیت کے الفاظ کا ذرا مختلف انداز میں بیان ہے۔

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰكُم عَنهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوااللّه (الحشر، ۵۹: ۷)

جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کر دے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔

امام احمد بن حنبلؒ کے فتاویٰ کی پانچ بنیادیں ہیں جن میں سے اولین بنیاد نصوص پر عمل ہے (نص سے مراد قرآن و سنت ہے) نص کے مقابلے میں انہیں جو چیز بھی ملتی اسے رد کر دیتے(۱۶)۔

امام صاحب کا یہ قول قرآن کی اس آیت کی روشنی میں ہے:

قُل اَطِیعُوا اللّٰہ وَالرَّسُولَ فَاِن تَوَلَّوا فَاِنَّ اللّٰہ لا یُحِبُّ الکٰفِرِین (آل عمران ۳:۳۲)
کہو کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر وہ اگر منہ موڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ تمام اقوال ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے بعد سنت رسول' قانون وضع کرنے کے لئے دوسرا مأخذ ہے اور جن معاملات میں قرآن کریم سے ہمیں واضح رہنمائی نہیں ملتی' وہاں قانون سازی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی وہی اہمیت ہے جو قرآنی آیات کی ہے۔ اس نظریے سے نہ تو کبھی صحابہ کرام بے نیاز ہوئے اور نہ کسی دور کے علماء امت نے اس سے صرف نظر کیا۔ یہ امر متفق علیہ ہے جس پر امت مسلمہ کا ایک عام فرد بھی ایمان رکھتا ہے۔

بطور مأخذ قانون سنت کا دائرہ کار

قرآن مجید قانون سازی میں مأخذ اول کی حیثیت کا حامل ہے۔ سنت نبوی کا مرتبہ اس کے بعد ہے۔ لیکن فنی لحاظ سے سنت نبوی قانون سازی کے لئے کچھ خاص میدانوں ہی میں راہنمائی کرتی ہے۔ یہ راہنمائی بھی بعض اوقات قرآنی احکام اور احادیث یا سنت مبارکہ کو باہم یکجا کرنے سے ملتی ہے۔ مختصراً یہ کہ سنت جن امور میں راہنمائی کرتی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

مجمل کو مفصل کرنا

مجمل سے مراد قرآن کریم کے وہ اجمالی احکام ہیں جو ایک یا چند جملوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ احکام سننے یا پڑھنے والے کو مسئلہ کے بارے میں مکمل تفصیل فراہم نہیں کرتے اور قاری کا ذہن مزید تفصیل کا منتظر رہتا ہے۔ سنت نبوی قاری کو یہی تفصیل اور اضافہ فراہم کرتی ہے۔ اس کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

وہ قرآنی اصولی احکام جو مختصراً بیان ہوئے' ان کی تفصیل سنت بیان کرتی ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں نماز ادا کرنے کے لئے فقط اتنا کہا گیا ہے کہ "واقیموا الصلوٰۃ" قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ یہ جملہ قرآن کریم میں جگہ جگہ موجود ہے۔ اسی طرح زکوۃ کی فرضیت کے بارے میں "واٰتوا الزکوٰۃ" کہا گیا ہے۔ یہ جملہ بھی قرآن کریم میں ہم متعدد جگہوں پر پڑھتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں کسی بھی جگہ نماز ادا کرنے کا طریقہ' نمازوں کی تعداد' نماز کی شرائط' وضو کا بیان' فرض' سنت' نفل اور وتر کا بیان' ستر کے احکام' یہ باتیں موجود

نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں ہمیں سنت نبوی سے اس طرح رہنمائی ملتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلوا کمارایتمونی اصلی یعنی "نماز اس طرح ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھو" اس پیغمبرانہ حکم کے بعد صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے متعلق جملہ حرکات، سکنات اور عادات کا بغور مشاہدہ کرنا شروع کر دیا اور نماز ادا کرنے کے طریقہ پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے بعد خود بھی، عمل کیا اور دوسروں کو بھی وہ طریقہ بتایا۔

اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے مقررہ وقت، کتنے عرصے کے بعد زکوۃ فرض ہوتی ہے، مختلف زرعی اجناس اور حیوانی اموال پر زکوۃ کی شرح، یہ باتیں زکوۃ فرض ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو موقع کی مناسبت سے بتاتے رہے۔

اس اعتبار سے سنت قرآنی اجمال کی تفصیل فراہم کرتی ہے۔

مطلق کو مقید کرنا

وہ قرآنی احکام جو مطلق کہلاتے ہیں سنت نبوی ان کو مقید کرتی ہے۔ مطلق اور مقید کا فرق اور سنت کا مطلق کو مقید کرنا ایک مثال سے واضح ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وللّٰہ علی النّاس حجُّ البیت من استطاع الیہ سبیلا (آل عمران، ۳:۹۷)
لوگوں پر اللہ کریم کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اس کا حج کرے۔

یہ حکم "مطلق" ہے اور ظاہر کر رہا ہے کہ جو شخص بھی بیت اللہ تک جانے کے وسائل رکھتا ہو، سفر کی صعوبتیں برداشت کر سکتا ہو، کوئی عذر شرعی اس کی راہ میں حائل نہ ہو، اس پر حج فرض ہے۔ بظاہر ایسے شخص پر ہر سال حج فرض ہوتا ہے۔ اس آیت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ساری زندگی میں ایک شخص پر کتنی مرتبہ حج فرض ہے۔ اگر یہ حکم اسی طرح رہتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ استطاعت رکھنے والا ہر شخص ہر سال حج کرنے کا پابند ہے۔ لیکن اس "مطلق" حکم کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقید کر دیا، اس پر قید لگا دی، اس کو محصور کر دیا۔ صحابہ کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص پر ساری زندگی میں ایک ہی حج فرض ہے (۱۷)۔

سنت نبوی کا دوسرا کام قرآن کریم کے کسی مطلق حکم کو مقید کرنا ہے۔

عام کو خاص کرنا

بعض قرآنی احکام ہر طرح کی صورت حال کے لئے ہیں' ایسے احکام کو عام کہتے ہیں۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ
فبشرھم بعذاب الیم (التوبہ' ۹: ۳۴)

جو لوگ سونا اور چاندی (دولت) جمع کرتے ہیں' اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔

اس آیت میں جو حکم دیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ سونا چاندی اور مال و دولت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ یہاں پر یہ ذکر نہیں ہے کہ سونے چاندی کی کتنی مقدار جمع کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر عذاب دیا جائے گا۔ وہ عورت جس نے سونے کی ایک انگشتری پہن رکھی ہو' اور معمولی رقم جمع کرنے والے شخص سے لے کر کروڑوں روپے کا اندوختہ رکھنے والے' دونوں برابر ہیں اور دونوں کو عذاب دیا جائے گا۔

دوسری توجہ طلب بات اس آیت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں کوئی نصاب (یا مقدار) بھی نہیں بتایا گیا۔ اس طرح اگر صرف یہ آیت ہی پیش نظر رکھی جائے تو مفہوم کچھ اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ انسان جو کچھ بھی کمائے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دے۔ جمع کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ آیت کے اس عمومی حکم کو لیا جائے تو انسان کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ شادی بیاہ' مکان کی تعمیر' تعلیم اور اس طرح کی مختلف النوع ناگزیر ضروریات کے لئے ایک دمڑی بھی جمع کرے۔

سنت نبوی نے اس آیت کے "عام" حکم کو مختلف مواقع پر کئی طریقوں سے "خاص" کر دیا۔ مثلاً مال و دولت جمع کرنے کے عام حکم کو مال کی ایک خاص مقدار (نصاب) بتا کر خاص کر دیا۔ جو سونے کے لئے الگ ہے اور چاندی کے لئے الگ ہے۔ دیگر حیوانی اور زرعی اموال پر بھی اس کا نصاب مختلف ہے۔ نقدی پر بھی نصاب بتایا' اس نصاب سے زائد جمع شدہ رقم مال یا سونے چاندی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا طریقہ بھی بتایا۔ جس کے مطابق پورے سال تک زائد از نصاب جمع شدہ رقم پر اڑھائی فیصد زکوۃ ادا کرنے سے آیت کا منشا پورا ہو جاتا ہے اور باقی رقم یا مال مذکورہ آیت کی روشنی میں مال جمع کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی تعریف میں نہیں آتے۔ سنت کا تیسرا کام عام کو خاص کرنا ہے۔

مشکل کو مُفسّر کرنا

اصطلاح میں مشکل سے مراد وہ لفظ ہے جو خود اپنے وہ معنی نہ بتائے جن معنوں میں شارع (اللہ تعالیٰ) نے اسے استعمال کیا ہو۔ ایسے الفاظ کے ایک سے زائد معانی بھی لئے جا سکتے ہیں اور ان کے معانی دوسرے قرائن سے متعین کرنا پڑتے ہیں۔ مشکل کے معانی مُفسّر کے ذریعے متعین کئے جاتے ہیں مُفسّر سے مراد وہ لفظ ہے جس کے معنی کھول کر بیاں کئے گئے ہوں۔

مفسر بہت عام فہم لفظ ہے، تفسیر اور مفسر عام استعمال کے الفاظ ہیں تفسیر سے مراد قرآن کے مفہوم کو کھول کر بیاں کرنا ہے اور جو شخص یہ فریضہ سر انجام دے اسے مُفسِّر کہتے ہیں جن آیات یا الفاظ کی تفسیر کی جارہی ہو انہیں مُفسَّر کہتے ہیں۔

قرآن میں آنے والے مشکل احکام کو سنت مُفسّر کرتی ہے مثال کے طور پر قرآن پاک میں روزہ دار کے لئے کھانے پینے کے اوقات اس طرح مقرر کئے گئے ہیں:

وکُلُوا وَاشرَبُوا حتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الخیطُ الاَبیَضُ منَ الخیطِ الاسودِ من الفجر (البقرہ ۲:۱۸۷)

اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ (صبح کی) سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام غلط فہمی میں پڑ گئے۔ کچھ نے عشاء کے بعد کھانا پینا چھوڑ دیا۔ کچھ نے یہ سمجھا کہ جب تک آدمی جاگ رہا ہو کھا پی سکتا ہے اور سونے کے بعد رات کو جاگنے پر اس کے لئے کھانا پینا منع ہے۔ حتیٰ کہ ایک صحابی نے تو سفید اور سیاہ رنگ کے دو دھاگے رکھ لئے اور سحری کے قریب ان دونوں کو دیکھ کر تمیز کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ جب روشنی اس قدر ہو گئی کہ دونوں میں تمیز کی جا سکتی ہو تو کھانا پینا بند کر دیا۔ اس لحاظ سے یہ آیت مشکل تھی۔ جس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور سحری کے لئے باقاعدہ وقت بتایا کہ اس وقت تک کھانے پینے کی اجازت ہے اور اس وقت کے بعد کھانا پینا منع ہے۔

قرآنی احکام کے مفہوم سے اصل کلی اخذ کر کے نیا حکم بتانا

سنت نبوی، کسی خاص قرآنی حکم میں پوشیدہ اصل مفہوم میں سے خاص کلیہ نکال کر، نیا حکم لوگوں کو بتاتی ہے، جیسے قرآن مجید میں ان رشتہ دار عورتوں کا ذکر ہے جن سے شادی کرنا حرام ہے۔ بہت سی دوسری عورتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ ایک مرد بیک وقت دو بہنوں سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اس حرمت میں دراصل یہ حکمت پوشیدہ

ہے کہ دو بہنوں کے درمیان قائم شرم و حیا اور محبت و الفت' جو ایک دوسری کے سوکن بننے سے مجروح ہوتے ہیں' نہ صرف برقرار رہیں بلکہ دونوں کے درمیان وہ فطری یگانگت بھی قائم رہے جو ایک نکاح میں جمع ہونے سے ختم ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے' جو قرآن کریم کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے' اس اصول کا اطلاق دو ایسے رشتوں پر کر دیا جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود نہیں ہے۔ خالہ اور بھانجی میں کم و بیش ماں اور بیٹی کا رشتہ ہوتا ہے' اسی طرح پھوپھی اور بھتیجی میں بھی تقریباً یہی رشتہ ہوتا ہے' ماں اور بیٹی کا رشتہ محبت و الفت اور شرم و حیا کا متقاضی ہوتا ہے اگر خالہ و بھانجی یا پھوپھی و بھتیجی کو ایک مرد کے نکاح میں جمع کر دیا جائے تو آیت کا منشا پورا نہیں ہوتا بلکہ دونوں میں سے محبت و الفت اور شرم و حیا کے جذبات ختم ہو کر ان کی جگہ رقابت' مسابقت اور برابری پیدا ہو جاتی ہے۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے مفہوم سے اصل حکمت اخذ کر کے اس حرمت کو دوسرے رشتوں پر لاگو کر دیا۔ حکم کی اصل حکمت' محبت و الفت اور شرم و حیا پر مبنی رشتوں میں ان جذبوں کا برقرار رکھنا تھی۔

قرآنی احکام کی تفسیر کا عملی نمونہ دکھانا

تیئس سالوں میں نازل ہونے والے قرآن کریم کی ایک ایک آیت کی تفسیر سنت نبوی اپنے قول' فعل اور سکوت کے ذریعے کرتی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی احکام الٰہی کے تابع رہ کر گزری۔ قرآن نماز کو فرض کر رہا ہے تو آپ نے نماز کو مکمل حالت میں قائم کیا۔ زکوٰۃ کا ذکر آیا تو زکوٰۃ کے تمام اصولی احکام اپنی زندگی ہی میں نافذ کر کے آئندہ آنے والوں کی رہنمائی کی۔ حج کی فرضیت ہوئی تو حج کے جملہ احکام لوگوں پر اپنے عمل کے ذریعے واضح کئے۔ شوہر و بیوی کے تعلقات کے بارے میں صحابہ کرام کو رہنمائی کی ضرورت پیش آئی تو اپنی نجی زندگی کے پوشیدہ گوشے لوگوں کے لئے عام کر دیئے' اور ازواج مطہرات کو اجازت دے دی کہ وہ اس سلسلے میں لوگوں کی رہنمائی کریں۔ صلح و جنگ کے مواقع آئے تو آپ نے احکام الٰہی کی روشنی میں دیگر اقوام سے معاملہ کیا۔ گویا آپ نے قرآنی احکام کی تفسیر اپنے عمل سے بھی کی۔

قرآنی احکام میں استثناء قائم کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے کئی احکام میں حالات کے تقاضوں کے تحت استثناء قائم کیا' مثلاً قرآن کریم نے چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ (المائدہ' ۵: ۳۸) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نابالغ

اور مجنون چور کے ہاتھ نہ کاٹنے کا استثناء قائم کر دیا۔ (صحیح بخاری، کتاب المحاربین) نیز نصاب سے کم اور غیر محفوظ مال کی چوری کرنے پر چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کو مستثناء فرمایا (مشکوۃ، کتاب الحدود)۔

قرآن کریم نے حکم دیا ہے کہ وراثت کی تقسیم سے پہلے متوفی کی وصیت پر عمل کیا جائے (النساء، ۴: ۱۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کی وصیتوں پر عمل کرنے سے منع فرمایا، ایک وہ وصیت جو وارث کے حق میں کی جائے تاوقتیکہ دیگر وارث راضی نہ ہوں، دوسری وہ وصیت جو متروکہ مال کی ایک تہائی سے زائد مال کیلئے ہو۔ رسول اللہ نے یہ استثناء اس لئے قائم کیا کہ یہ دونوں قسم کی وصیتیں وارثوں کے لئے ضرر پیدا کرتی ہیں، جبکہ قرآن کریم نے ضرر والی وصیت سے منع فرمایا۔ (النساء، ۴: ۱۲، صحیح بخاری، کتاب الوصایا)

عرف کی توثیق و تطہیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین مخاطب قوم عرب قوم تھی، اس بنا پر اس قوم کی عادات و رسوم وغیرہ قوانین اسلامی میں بطور خمیر استعمال ہوئیں۔ قران کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وامر بالعرف (الاعراف، ۷: ۱۹۹) یعنی لوگوں کو ان کے عرف (عادات و رسوم) کے مطابق حکم دو۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عادات و رسوم کی توثیق کر کے انہیں جاری رہنے دیا جو قرآن کریم کے احکام کے خلاف نہیں تھیں، مثلاً مضاربت، مشارکت، بیع سلم وغیرہ، اور جو خلاف قرآن تھیں، ان میں اس حد تک تبدیلی کر دی کہ وہ خلاف قرآن نہ رہیں، مثلاً بیع کو جائز قرار دے کر اس کی بعض صورتوں کو ممنوع قرار دیا، البتہ جن عادات و رسوم میں تبدیلی ممکن نہیں تھی اور وہ خلاف قرآن بھی تھیں، انہیں ختم کر دیا مثلاً جوا اور سود۔ اس طرح رسول اللہ نے اہل عرب کی عادات و رسوم کی توثیق و تطہیر کا فریضہ انجام دیا۔ اس سے آئندہ زمانوں اور مختلف اقوام و ممالک کی عادات و رسوم کی توثیق و تطہیر میں وہی طریقہ استعمال کیا جا سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا۔

سنت کی چند اقسام اور قانون سازی میں ان کا مقام (۱۸)

اس باب کے آغاز میں سنت کی تین اقسام، سنت قولی، سنت فعلی اور سنت تقریری کا ذکر کیا گیا تھا۔ ان تین اقسام سنت کی بہت سی ذیلی اقسام ہیں جو علم حدیث سے متعلق ہیں۔ یہاں پر سنت کی صرف ان تین اقسام اور سند کے اعتبار سے سنت کی قسموں کا قانون سازی کے ضمن میں تعارف کرایا جاتا ہے۔

(ا) ساخت یا بناوٹ کے اعتبار سے

ساخت کے اعتبار سے سنت کی تین اقسام ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا قانون سازی میں الگ الگ مقام اور مرتبہ ہے۔ یہ اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

الف ۔ قولی سنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ دو مواقع پر ادا ہو سکتے ہیں۔ اولاً اس وقت جب آپ احکام الٰہی کی تشریح فرما رہے ہوں۔ ایسی صورت میں آپ کے جملہ اقوال واجب الاتباع ہیں اور قانون سازی کے لئے متفقہ ماخذ ہیں۔ ثانیاً" اس وقت جب آپ بعض دنیاوی امور کے سلسلے میں کوئی بات کہیں یا حکم صادر کریں' اس صورت میں آپ کے اقوال و دیگر علوم اسلامیہ میں استعمال ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ عادی سنت ہے جس پر عمل کرنا مندوب ہے' واجب نہیں۔ تاہم جان بوجھ کر عمل نہ کرنے والا گناہ گار ہے بالخصوص کہ جب اسے عمل کرنا چاہیے۔

مثال کے طور پر ایک دفعہ آپ نے مدینہ کے لوگوں کو نر کھجور کے پھولوں سے سفوف لے کر مادہ کھجور کے پھولوں پر چھڑکتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو زیادہ پھل آسکتا ہے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لی اور درختوں پر سفوف کا چھڑکاؤ کرنا بند کر دیا۔ جس کے بعد کھجوروں نے کم مقدار میں پھل دینا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کھجوروں کا سفوف لے کر دوسری کھجوروں پر چھڑکا کرو۔ اس لئے کہ تم لوگ دنیاوی امور میں مجھ سے زیادہ معلومات رکھتے ہو۔

ب ۔ سنت فعلی

اپنے افعال کے ذریعے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تعلیم دی۔ اس لئے یہ بھی سنت میں داخل ہیں۔

فعلی سنت بھی کئی طرح کی ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت انسان اپنے جبلی تقاضے پورے کئے ہوں' مثلاً کھانا' پینا' چلنا' پھرنا' اٹھنا' بیٹھنا' اور دیگر امور۔ یہ وہ کام ہیں جو ہر انسان کرتا ہے۔ اس طرح کے افعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادا ہوئے ہوں تو وہ امت کے لئے اس حد تک واجب الاتباع ہیں کہ لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہیں تو انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ادا کریں اور چاہیں تو کوئی دوسرا طریقہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اپنے لئے عام حالات میں ایک خاص نظام الاوقات وضع کر رکھا تھا۔ یہ نظام الاوقات لوگوں کے لئے اختیار کرنا واجب نہیں ہے۔

لیکن اگر کوئی آسانی کے ساتھ اسے اپنے لئے پسند کر کے اسی کے مطابق عمل کرتا ہے تو یہ عمل حُب رسول پر دلالت کرتا ہے اور احسن ہے۔

فعلی سنت کی دوسری قسم وہ ہے کہ جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ عام مسلمانوں پر اس سنت کا اتباع واجب نہیں ہے بلکہ اس طرح کی سنت پر عمل مسلمانوں کے لئے منع ہے۔ جیسے عام مسلمان ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار شادیاں کر سکتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زائد شادیاں کیں۔ بغیر افطار کئے مسلسل روزہ رکھنا مسلمانوں کے لئے ممنوع ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔ اس طرح کی فعلی سنت ماخذ قانون نہیں ہوئے۔

سنت فعلی کی تیسری قسم وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے مجمل احکام کی تفصیل بتائی یا اس کی تشریح و توضیح کی ہو جیسے نماز ادا کرنا' قرآن مجید سے فرض ثابت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی اور ساتھ ہی فرمایا:

صلوا کما رایتمونی اصلی

نماز اس طرح ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے دیکھو۔

اس طرح کے افعال کے بارے میں تشریحی حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان سے ادا فرمایا ہے یا قرائن سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس فعلی سنت کا کیا مقام ہے۔ فعلی سنت کی یہ قسم ماخذ قانون ہے۔

ج - سنت تقریری

سنت کی اس قسم کو سکوتی بھی کہہ سکتے ہیں یعنی وہ سنت جو کسی کام کے ہوتے دیکھ کر آپ نے خاموشی اختیار کی۔ مثلاً عید کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے سامنے حبشیوں کا ایک کھیل دیکھا اور خاموشی اختیار کی جس سے ثابت ہوا کہ خوشی کے مواقع پر' شرعی حدود کے اندر' مناسب کھیل تماشے جائز ہیں۔ سنت کی اس قسم کے بارے میں بھی قرائن اور دماغ سوزی سے پتہ چلتا ہے کہ قانون سازی میں اس کا مقام کیا ہے۔ ہر ایک کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ محض ایک حدیث پڑھ کر بڑی بڑی آراء کا اظہار کرتا پھرے۔

(۲) - باعتبار سند' سنت کی اقسام

سند سے مراد وہ واسطہ ہے جس کے ذریعے سے سنت ہم تک پہنچی ہے اس اعتبار سے اس کی تین اقسام ہیں:

الف - حدیث متواتر

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ وہ سنت ہے جو تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہو اور اسے لوگوں کی کثرت نے روایت کیا ہو' جن لوگوں نے روایت کیا ہو' ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا محال ہو۔ اسی طرح بعد میں آنے والے جب روایت کریں' تو ان کی تعداد بھی اتنی ہو جو کم از کم اس سے قبل روایت کرنے والوں کی ہو یعنی روایت کرنے والوں کی تعداد ابتداء' درمیان اور آخر میں برابر ہو' یہاں تک کہ یہ سلسلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے۔ متواتر سنت کی یہ قسم کبھی قولی ہوتی ہے اور کبھی فعلی' لیکن زیادہ تر یہ فعلی ہی ہوتی ہے۔ اگر متواتر سنت قولی ہو تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ متواتر لفظی ہوتی ہے یا متواتر معنوی' لفظی سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ تواتر کے ساتھ ملتے ہوں' اگر کہیں الفاظ کے معاملے میں راویوں کی روایت میں لفظ فرق ہو' لیکن سنت کا مفہوم ایک ہی ہو' تو ایسی سنت تواتر معنوی کہلاتی ہے۔ متواتر سنت سے ہمیں یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ یقینی علم سے مراد یہ ہے کہ اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں پایا جاتا لہٰذا اس ذریعے سے حاصل ہونے والا علم قطعی ہوتا ہے جو شرعی احکام کے ضمن میں مسلمانوں کا متفقہ سرچشمہ قانون ہے۔

ب - حدیث مشہور

اگر کوئی ایسی حدیث' جس کے راویوں کی تعداد حد تواتر کو نہ پہنچے' یعنی ایک یا دو افراد نے اسے روایت کیا ہو اور صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین میں سے بھی اتنے ہی لوگوں نے روایت کیا ہو کہ ان کی تعداد حد تواتر تک نہ پہنچے' تو ایسی سنت کو مشہور کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک مشہور حدیث کے راویوں کی تعداد دو سے چار تک ہے۔ احناف کے نزدیک مشہور سے ہمیں وہ علم حاصل ہوتا ہے جو ظن قوی کہلاتا ہے یہ بھی یقین ہی کے درجے کا علم ہے۔ اس لئے یہ بھی ماخذ قانون ہے۔ ظن قوی کو طمانیت بھی کہتے ہیں۔

ج - خبر واحد

اسے سنت آحاد یا خبر آحاد بھی کہتے ہیں۔ علمائے احناف کے نزدیک سنت آحاد وہ سنت ہے جو نہ متواتر ہو اور نہ مشہور' البتہ دیگر علمائے امت کے نزدیک اس سے مراد وہ سنت ہے جو متواتر نہ ہو۔

جمہور علماء کے نزدیک اس طرح کی سنت کے بارے میں زیادہ گمان یہی کیا جاسکتا ہے کہ اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہے اس لئے اس کا اتباع مسلمانوں کے لئے حجت ہے۔

اس بات پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ سنت آحاد شرعی ماخذوں میں سے ایک ماخذ ہے اس سے ملنے والے احکام کی پیروی لازمی ہے۔ لیکن سنت کی اس قسم کی قبولیت کے لئے مختلف مکاتب فکر کی شرائط مختلف ہیں۔

مالکی مکتب فکر نے سنت میں مذکور احکام کی قبولیت کے لئے جو درجہ بندی کر رکھی ہے اس کے مطابق حدیث متواتر' خبر واحد پر مقدم ہے چونکہ ان کے نزدیک اہل مدینہ کا عمل بھی سنت متواتر میں شامل ہے اس لئے اگر کوئی خبر آحاد اہل مدینہ کے عمل سے مطابقت رکھتی ہو تو ماخذ قانون ہے اور اگر وہ خبر آحاد اہل مدینہ کے عمل کے خلاف ہے تو مالکی مکتب فکر کے علماء اس کو قبول نہیں کرتے۔

علمائے احناف کا خیال ہے کہ اگر سنت آحاد کو روایت کرنے والا خود فقیہ نہ ہو' تو کئی الفاظ جنہیں وہ نہیں سمجھ سکتا' اصل حالت میں بیان کرنے کی بجائے ان کے معانی و مطالب روایت کرتا ہے۔ اس طرح سنت کے کئی مطالب چھوٹ جاتے ہیں' اس لئے احناف ایسی خبر واحد کو اسی صورت میں قبول کرتے ہیں جب وہ صحیح قیاس اور شریعت کے ثابت شدہ اصول و قواعد کے مخالف نہ ہو۔

خبر واحد کے قبول کرنے کے بارے میں علمائے احناف کی تیسری شرط یہ ہے کہ راوی کا اپنا عمل اس خبر واحد کے مخالف نہ ہو۔

خبر واحد کے ردو قبول میں علماء میں جزوی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ خبر واحد جملہ مکاتب فکر کے نزدیک تسلیم شدہ ماخذ قانون ہے البتہ اس کو قبول کرنے کی شرائط ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

تدوین حدیث

سنت رسول کی حجیت Legality کے بارے میں صحابہ کرام سے لے کر بیسویں صدی کے نصف تک امت مسلمہ میں کوئی اختلاف نہ رہا اور نہ آج کوئی اختلاف ہے۔ امت کے علماء اور عوام میں اس بارے میں کامل یکسوئی رہی ہے۔ یہ امر روز اول سے آج تک امت کے درمیان متفق علیہ رہا۔

لیکن حالیہ چند عشروں میں بعض مستشرقین نے یہ دعویٰ کیا کہ احادیث نبوی کی تدوین (Compilation) کا کام چونکہ ان کے خیال میں بہت بعد میں شروع ہوا لہٰذا وقت کے بُعد نے احادیث کے متن میں اس قدر اختلافات پیدا کر دیئے کہ سنت بجائے خود کسی ایک اکائی کا نام نہ رہا' چہ جائیکہ اس ماخذ قانون تسلیم کیا جائے۔

مستشرقین کا معاملہ امت کے علماء سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام کی حقانیت جب اہل مغرب کے عوام پر مختلف

زاویوں سے آشکارا ہوتی ہے تو ان کی معتدبہ تعداد اسلام کو سمجھنا چاہتی ہے۔ خواندگی کا تناسب تقریباً سو فی صد ہونے کے باعث وہاں کا پڑھا لکھا طبقہ اسلامی تعلیمات دلیل اور استدلال کے ذریعے سمجھنا چاہتا ہے۔ اس طبقہ کی رسائی اسلامی تعلیمات تک براہ راست ہو جائے تو اسے اسلام قبول کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ رجحان مغربی نقطہ نظر سے بہت خطرناک ہے۔ جس کا تدارک ان کے مستشرقین اور اہل سیاست کے نزدیک بہت اہم ہے چنانچہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے کے لئے تعلیم و تعلم کے میدان میں یہ لوگ اسلام کے بارے میں دانستہ مختلف قسم کی غلط فہمیاں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ فی الحقیقت تو مستشرقین کی ان تمام کوششوں کا مطمح نظر اپنے عوام کو اسلام سے دور رکھنا ہوتا ہے لیکن جب ان کی تحریریں عام ہوتی ہیں تو ضمنی طور پر دوسرے طبقات بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ خاص طور پر ان اسلامی معاشروں کے اہل علم اس طریق واردات کا ہدف بنتے ہیں جہاں جدید مغربی تعلیمی ادارے عام ہیں۔ ان اداروں کے تعلیم یافتہ افراد علوم اسلامیہ میں اتنا درک نہیں رکھتے ہیں کہ اسلام پر کئے جانے والے حملوں کا از خود کوئی ناقدانہ جائزہ لے سکیں۔ مغرب سے مرعوبیت کے باعث وہاں کی ہر تحریر کو "تحقیق" سمجھ لیا جاتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے مسلم معاشروں میں بھی مستشرقین کی تحریروں نے، اگرچہ نہ ہونے کے برابر، تموج پیدا کیا ہے اور مغربی گمراہی کی ہلکی پھلکی جھلکیاں مسلم اہل علم کی خامہ فرسائیوں کی زینت بنتی رہتی ہیں۔

اصل صورت یہ ہے کہ احادیث کی جمع و تدوین کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے ہو چکا تھا اور رسول اللہ کے مکتوبات، معاہدات اور بعض فرمودات عہد رسالت ہی میں محفوظ و مدون ہو چکے تھے، جن میں متعدد فقہی احکام بیان کئے گئے ہیں۔ بعض صحابہ نے احادیث کے مجموعے تیار کئے مثلاً مجموعہ عبداللہ بن عمر بن العاص۔ اس کے بعد انفرادی طور پر بعض لوگوں نے از خود اور بعض لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی خلیفہ کے حکم سے احادیث جمع کی گئیں۔ مثلاً صحیفہ ہمام ابن منبہ وغیرہ۔ امام مالک بن انس کا مجموعہ احادیث پہلا مجموعہ احادیث تھا۔

دوسری صدی ہجری سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک تدوین حدیث کے سلسلے میں معتدبہ کام ہوا اور حدیث کے متعدد ضخیم مجموعے مرتب کئے گئے جیسے مسند احمد بن حنبل، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی وغیرہ۔ احادیث کے یہ مجموعے صحت کے اعتبار سے مستند تصور کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنی کتاب Studies in Early Hadith Litrature میں تدوین حدیث کے بارے

میں کئی اہم باتیں بیان کی ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق صحابہ کے عہد میں احادیث کے پچاس سے زائد تحریری مجموعے موجود تھے۔ تابعین کے عہد میں تو یہ سلسلہ اور بھی وسیع ہو گیا۔ تابعین کے مرتب کردہ دو سو پچاس سے زائد مجموعوں کے بارے میں اہل علم بخوبی جانتے ہیں۔

لیکن تفصیل میں جائے بغیر مستشرقین کے اعتراض کا یہ مختصر سا جواب ہے۔ دوسری طرف مستشرقین کی "تحقیق" اور اعتراض بجائے خود ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ صورت حال سے یا تو مکمل بے بہرہ ہیں اور یا حقائق کو جان بوجھ کر چھپا رہے ہیں۔ فرض کیجئے آج سے سو سال بعد زندگی کا ہر شعبہ کمپیوٹرائزڈ ہو جائے اور یہ رجحان اتنا عام ہو کہ اس کے مزید ایک ہزار سال بعد یہ تصور ہی نہ ہو کہ دنیا میں کوئی ایسا شعبہ بھی ہے جسے کمپیوٹرائزڈ نہ کیا گیا ہو اور ثقہ علم وہی ہو جو کمپیوٹر میں محفوظ ہو۔ جب یہ تصور عام ہو جائے تو معاشرے کا عام فرد دوسرے وسائل کو یقیناً غیر ثقہ ماننے لگے گا لیکن کیا اس سے ایک ہزار قبل کا علم واقعی غیر ثقہ ہو گا اور کتابوں سے مدد لینے والے جاہل قرار پائیں گے۔

اس مفروضہ کو درست مان لیا جائے تو آج کا کتابوں پر مبنی علم ہزار سال بعد کے کمپیوٹرائزڈ علم کے مقابلے میں بالکل بے معنی ہو گا اور کہا جا سکے گا کہ حدیث کا ذخیرہ تو رسول اللہ سے ڈیڑھ ہزار سال بعد کمپیوٹرائزڈ ہوا اس لئے یہ متفق علیہ نہیں ہے۔

جو لوگ عہد رسالت کے آلات و وسائل اور معاشرے کے عمومی رجحانات کا سطحی علم رکھتے ہیں وہ اس طرح کی بے سروپا باتوں پر فوراً ایمان لے آتے ہیں۔ رسول اللہ کے زمانے میں اور بعد میں طویل عرصے تک کا معاشرتی رجحان یہ کہتا ہے کہ تحریر کا سہارا لینے والا کوئی ذہین شخص نہیں ہے۔ اس دور کا ذہین شخص وہ تھا جسے ہر مطلوبہ شے زبانی یاد ہو اور یہ بھی کوئی نادر روزگار معاملہ نہ تھا بلکہ اس وقت علم ذخیرہ کرنے کی جگہ انسانی ذہن تھا نہ کہ کاغذ۔ اس عہد میں جن لوگوں نے احادیث نبوی کو تحریری شکل دی اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہیں اپنے حافظے پر اعتماد نہ تھا یا وہ ذہین نہ تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ احادیث کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر انہیں تحریر میں محفوظ کر کے اگلی نسلوں تک پہنچانا چاہتے تھے اور حفاظت احادیث کا یہ ایک ذریعہ تھا جسے بعض لوگوں نے اختیار کیا۔ بعض دوسرے لوگوں نے غیر تحریری طریقوں سے کام لیا جو حفاظت حدیث کے دوسرے وسائل رہے تھے۔

اس کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ سنت رسول کسی تاریخی ڈیٹا کا نام نہیں نہ یہ کسی میکانکی عمل کا نام ہے، جسے صحیفوں، مخطوطوں اور افراد کے حافظوں کے مقیاس کے ذریعے پرکھ کر دیکھا جائے۔ سنت رسول کا ایک دوسرے

زاویہ سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بہت بڑا حصہ امت مسلمہ کے مسلسل اجتماعی عمل کی صورت میں محفوظ ہے۔ قرن ہا قرن سے کروڑوں اربوں مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دن رات دہراتے ہیں اور حیرت ہے کہ اس میں سرِ مُو تغیر نہیں ہوتا۔ حالانکہ پیغام رسانی کے اصول کہتے ہیں کہ کسی پیغام کو کئی واسطوں سے گزارا جائے تو بالآخر اس کی ساخت یکسر تبدیل ہو جاتی ہے لیکن سنت رسول کے معاملہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ کا عمل بیسیوں نسلوں کے واسطے سے گزر کر آج ڈیڑھ ہزار سال بعد بھی اسی طرح شفاف ہے جس طرح خود رسول اللہ نے ادا کیا تھا۔ چاغی کا مسلمان روزے کے بارے میں جو ایمان رکھتا ہے مراکش کے دور افتادہ گاؤں کے بدو کا ایمان بھی اسی تصور پر قائم ہے۔ دونوں کے ایمان کا مصدر سنت رسول ہے۔ دونوں نے نہ تو ابو داؤد سبقاً سبقاً پڑھی ہے اور نہ کسی عالم دین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔ وادی کشمیر کا مولوی مجلس نکاح میں جو آداب و اطوار اختیار کرتا ہے گیمبیا کے جنگلوں میں رہنے والے مسلمانوں نے کتب حدیث دیکھے بغیر وہی آداب و اطوار اپنا رکھے ہیں۔ اس اشتراک و یکسانیت کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے امت کا تعامل! جو حجیت سنت کے لئے سب سے بڑی دلیل ہے۔ یہ دلیل صرف اسی ذہن کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہے جو ایمان کی شمع سے منور ہو۔ کسی میکانکی علم کے حروف تہجی سے ترکیب پانے والا ذہن الفاظ کے پیچوں میں الجھ کر کارواں گم کر دیتا ہے۔

اس موضوع پر مزید مطالعہ کا شوق رکھنے والے اصحاب درج ذیل کتب میں تفصیل ملاحظہ کر سکتے ہیں:

۱۔ جامع الاصول، ڈاکٹر احمد حسن، مطبوعہ لاہور

۲۔ سنت کی آئینی حیثیت، ابوالاعلی مودودی، مطبوعہ لاہور

۳۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، محمد تقی امینی، مطبوعہ لاہور

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دین کا فہم عطا فرمائیں۔ آمین

حواشی

(۱) مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً دون ما ذکرہ من معایش الدنیا علی سبیل الرای

(۲) تاریخ ابن کثیر، نفیس اکیڈیمی، کراچی، حصہ چہارم، ۱۹۸۷ء، ص ۵۱۰

(۳) جامع ترمذی، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی

(۴) جامع ترمذی، باب ماجاء فی کراھیہ کتاب العلم

(۵) جامع ترمذی، ابواب العلم

(۶) ایضاً"

(۷) سنن ابو داؤد کتابتہ العلم

(۸) السنن، للدارمی جلد اول صفحہ ۵۸

(۹) حدیث استئذان، صحیح بخاری، نیز مسلم کتاب الاداب

(۱۰) اعلام الموقعین، ابن قیم، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ، ج ۱، ص ۹۸

(۱۱) تاریخ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (اردو ترجمہ، سید محمد ابراہیم ندوی) نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۲ء حصہ سوم، ص ۲۸۷

(۱۲) تاریخ طبری، حوالہ ایضاً" ۱۹۷۷ء، حصہ سوم، ج ۲، ص ۲۱۲

(۱۳) الرسالتہ للشافعی، بیروت، صفحہ ۸۶

(۱۴) تہذیب التہذیب، لابن حجر العسقلانی، جلد دہم، صفحہ ۴۵۱، مطبوعہ بیروت (۱۳۲۷ ہجری)

(۱۵) جامع البیان العلم و فضلہ لابن عبدالبر، جلد دوم، ص ۳۲

(۱۶) اعلام الموقعین لابن قیم الجوزیہ، جلد اول، صفحہ ۵۹، مطبوعہ قاہرہ

(۱۷) للنسائی، کتاب الحج، باب وجوب الحج

(۱۸) سنت اور حدیث کے بارے میں تفصیل جاننے کے لئے صبحی صالح کی کتاب "علوم الحدیث" (اس کا اردو ترجمہ شائع ہو گیا ہے) دیکھی جا سکتی ہے۔

مصادر و مراجع

۱۔ ابن قیم: العلامہ شمس الدین ابوبکر ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ) "اعلام الموقعین عن رب العالمین" قاہرہ، مکتبہ ابن تیمیہ، ۱۴۰۹ھ

۲۔ ابن کثیر: الحافظ ابو الفداء عمادالدین اسماعیل بن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ) "تاریخ ابن کثیر" (اردو ترجمہ پروفیسر کوکب شادانی) نفیس اکیڈیمی، ۱۹۸۷ء، حصہ چہارم

۳ - ابن عبدالبر القرطبی : الحافظ ابوعمر یوسف ابن عبدالبر النمری القرطبی (۴۶۳ھ) "جامع بیان العلم و فضله و ما ینبغی فی روایته و حمله" مدینہ ' المکتبہ العلمیہ

۴ - ابوداؤد : الامام الحافظ ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (۲۷۵ھ) "السنن" استنبول' دارالدعوۃ' ۱۴۰۱ھ

۵ - احمد حسن : ڈاکٹر' (۱۴۱۷ھ) "جامع الاصول" لاہور' مطبع مجتبائی' ۱۹۸۶ء

۶ - امینی : محمد تقی' "فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر" لاہور' اسلامک پبلی کیشنز ۱۹۸۳ء

۷ - البخاری : الامام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (۲۵۶ھ) "الجامع الصحیح" استنبول' دارالطباعہ العامرہ

۸ - الترمذی : الامام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (۲۷۹ھ) "الجامع" استنبول' دارالدعوۃ' ۱۴۰۱ھ

۹ - الدارمی : الحافظ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی (۲۵۵ھ) "السنن" استنبول' ۱۴۰۱ھ

۱۰ - الشافعی : الامام ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی (۲۰۴ھ) "الرسالہ" قاہرہ' المطبعہ الامیریہ

۱۱ - الطبری : الامام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ) "تاریخ طبری" (اردو ترجمہ سید محمد ابراہیم' ایم - اے' ندوی) کراچی' نفیس اکیڈمی' ۱۹۸۲ء' حصہ سوم

۱۲ - العسقلانی : الحافظ احمد بن علی بن حجر (۸۵۲ھ) "تہذیب التہذیب" بیروت' دار صادر' ۱۳۲۷ھ جلد دہم

۱۳ - علی حسب اللہ : "اصول التشریع الاسلامی" کراچی' ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ' ۱۹۸۷ء

۱۴ - مسلم : الامام الحافظ ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری (۲۶۱ھ) "صحیح مسلم" استنبول' دارالدعوۃ' ۱۴۰۱ھ

۱۵ - مودودی : ابوالاعلیٰ' سید (۱۹۷۹ء) "سنت کی آئینی حیثیت" لاہور' اسلامک پبلی کیشنز' ۱۹۸۴ء

۱۶ - النسائی : ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی (۳۰۳ھ) "السنن الصغریٰ" استنبول' دارالدعوۃ' ۱۴۰۲ھ

۱۷ - الزحیلی : وھبہ' ڈاکٹر' اصول الفقہ اسلامی' دمشق' دارالفکر' ۱۹۸۹ء

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

۱۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ اول-قرآن

۲۔ اسلامی قانون کے مأخذ' ماخذ دوم سنت

۳۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ سوم اجماع

۴۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ چہارم قیاس

۵۔ اجتہاد ایک تعارف

۶۔ اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار

۷۔ دینی مسائل میں اختلاف، اسباب اور ان کا حل

۸۔ اسلام کا قانون نکاح وطلاق

۹۔ اسلام کا قانون وراثت ووصیت

۱۰۔ اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ

۱۱۔ اسلام کا تصور ملکیت ومال

۱۲۔ اسلام کا تصور معاہدہ

۱۳۔ اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور

۱۴۔ مزارعت اور مساقات

۱۵۔ اسلام کا نظام محاصل

۱۶۔ اسلام کا نظام مصارف

۱۷۔ اسلام میں عدل وقضاء کا تصور

۱۸۔ اسلام کا نظام احتساب

۱۹۔ اسلامی نظام عدل وقضاء میں شہادت کا تصور

۲۰۔ اسلام کا تصور جرم وسزا

۲۱۔ اسلام کا فوجداری قانون

۲۲۔ اسلام کا دستوری قانون

۲۳۔ اسلام کا قانون بین الممالک

۲۴۔ اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری